قومی اسمبلی کی قرارداد پر کسی احمدی کے ردّعمل میں ظلم اور فساد کا شائبہ نہ پایا جانا چاہئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳؍ستمبر ۱۹۷۴ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے مذہب کے متعلق ایک قرارداد پاس کی ہے۔ اس پر جماعت احمدیہ مجھ سے دوسوال دریافت کرتی ہے۔

اوّل یہ کہ جو قرارداد پاس ہو چکی ہے اس پر جماعت احمدیہ کے خلیفۃ المسیح الثالث کا تبصرہ کیا ہے یعنی جماعت احمدیہ کو یہ بتایا جائے کہ اس قرارداد کے معانی کیا ہیں؟

دوم یہ کہ اس قرارداد کے پاس ہونے کے بعد جماعت احمدیہ جس کا صحیح نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''احمدیہ فرقہ کے مسلمان'' رکھا ہے۔ تو اب احمدیہ فرقہ کے مسلمانوں کا ردِّعمل کیا ہونا چاہیئے؟ پس یہ دو سوال ہیں جو پوچھے جارہے ہیں۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے یعنی جو قرارداد پاس ہوئی ہے اس پر جماعت احمدیہ کے خلیفۂ وقت کا تبصرہ کیا ہے؟ اس پر تنقید کیا ہے؟ کیا پاس ہوا ہے؟ اس کے متعلق جماعت کو بتایا جائے۔ اس میں اس لئے بھی الجھن پڑتی ہے کہ مختلف اخبارات مختلف باتیں لکھ دیتے ہیں اور بعض اخبار بعض باتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے متعلق اس وقت تو میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ No Comment کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تبصرے سے قبل بڑے غور اور تدبر کی ضرورت ہے اور مشورے کی ضرورت ہے۔ پس مشورے اور تمام پہلوؤں

پر غور کرنے کے بعد پھر میں جماعت احمدیہ کو بتاؤں گا کہ جو پاس ہوا ہے وہ اپنے اندر کتنے پہلو لئے ہوئے تھا۔ کیا بات صحیح ہے اور کیا بات صحیح نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال اس وقت اس پر کوئی تبصرہ نہیں ہے۔ اس کے لئے آپ کچھ دن اور انتظار کرلیں۔ کوئی جلدی بھی نہیں ہے۔ اصل تو یہ ہے کہ آپ کو حقیقت معلوم ہو جائے۔ اس لئے حقیقت کو ابھرنے دیں۔ حقیقت کو اَن فولڈ (Uufold) ہونے دیں۔ اس کو پتیاں نکالنے دیں پھر اس کے اوپر تبصرہ بھی آ جائے گا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کا ردعمل کیا ہونا چاہیئے یا جماعت احمدیہ کا کیا ردعمل ہے؟ کیونکہ ہر احمدی باوجود اس بات کے کہ وہ بڑا تربیت یافتہ ہے پھر بھی مرکز کی طرف دیکھتا ہے اور بہر حال مرکز سے ہدایت طلب کرتا ہے اور یہ جاننا چاہتا ہے کہ ہمارا کیا ردعمل ہونا چاہیئے؟ اس کا جواب لمبا ہے اور یہ ایک خطبہ میں ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اس کے جواب میں دو پہلو مدِ نظر رکھنے پڑتے ہیں۔ اس بنیادی حقیقت کی بنا پر جو ہماری زندگی کی حقیقت ہے اور جس کے بغیر ایک احمدی کی زندگی، زندگی ہی نہیں اور وہ بنیادی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ ہے اور ہم پورے وثوق کے ساتھ اور پورے عرفان کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر پورا اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اس اللہ پر جسے اس کی ذات کے لحاظ سے اور اس کی صفات کے لحاظ سے قرآن عظیم نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم اس اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر جیسا کہ قرآنِ کریم نے ہمیں بتایا ہے واقعہ میں عارفانہ ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مانند ہے اس یونیورس، اس عالمین میں اس جیسا کوئی نہیں ہے ذات کے لحاظ سے اور نہ اس کا مثیل ہے صفات کے لحاظ سے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو اسلام نے قرآن عظیم کے ذریعہ ہمارے سامنے رکھی ہے۔ پھر قرآن کریم نے شروع سے لے کر آخر تک ہمیں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے اندر یہ صفت پائی جاتی ہے۔ یہ صفت پائی جاتی ہے اور یہ صفت پائی جاتی ہے کبھی نام لے کر اور کبھی کام کا ذکر کر کے۔ قرآن کریم نے شروع سے لے کر آخر تک ہمیں یہ بتایا ہے کہ قرآن کریم جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو کس معنے میں لیتا ہے مثلاً

سورۃ فاتحہ کو لیں تو اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی چار بنیادی صفات ہمارے سامنے رکھی گئی ہیں۔ سورۃ فاتحہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ تمام تعریفوں کا مرجع اللہ ہے۔ فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ اللہ وہ ہے جو رب العالمین ہے۔ اللہ وہ ہے جو رحمٰن ہے، اللہ وہ ہے جو رحیم ہے، اللہ وہ ہے جو **مالک یوم الدین** ہے۔ قرآن کریم نے اور پھر ان مطہر بزرگوں نے جن کا ذکر خود قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا ہے اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (الواقعة : ۷۸تا۸۰) گویا خود قرآن کریم نے ایک گروہ کو مطہرین کا گروہ قرار دیا ہے۔ پس ایک تو خود قرآن عظیم نے الٰہی صفات بیان کیں دوسرے مطہرین کے گروہ نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کر کے دنیا کے سامنے الٰہی صفات کو بیان کیا۔ ان کی تفصیل بتائی۔ ان پر روشنی ڈالی اور پھر اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا کہ کہا گیا تھا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کے نتیجہ میں آپ کے عشق میں فانی ہو کر خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو جس رنگ میں قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جس طرح حضرت مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الٰہی صفات کی تشریح کی ہے ہم اسی معنے میں اللہ کو مانتے ہیں مثلاً ہم سبحان اللہ پر یقین رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اندر کوئی نقص، کوئی کمزوری اور کوئی عیب پایا ہی نہیں جاسکتا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نہیں کہ کوئی ناسمجھ کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ مثلاً نعوذ باللہ خدا چوری کرسکتا ہے مگر ہمارا سبحان اللہ کہنا اس کی تردید کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات میں کوئی عیب یا نقص متصور ہی نہیں ہوسکتا۔ میں اس اللہ کی بات کر رہا ہوں جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔ بعض مذاہب بگڑ گئے انہوں نے ایک (انسانی) وجود کو خداوند بھی کہا اور اسے پھانسی پر بھی لٹکا دیا۔ یہ مذہب کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں مثلاً ایک وجود کو لوگوں نے خداوند بھی کہا اور یہ بھی تصور کرلیا کہ وہ خدا ہونے کے باوجود رحم مادر کی تنگ کوٹھڑی میں نو مہینے تک قید بھی رہا۔ یہ تو بگڑے ہوئے مذہب کی حالتیں ہیں مگر ہمارا اسلام تو بگڑا ہوا مذہب نہیں ہے اس کی تو چمکتی ہوئی لشکار ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہی ہے اس کی ذات کے متعلق بھی اور صفات کے متعلق بھی۔

امت محمدیہ میں ایسے کروڑوں بزرگ پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا عرفان حاصل کیا اور خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات کی کیفیت اور ماہیت انہیں بتائی۔ (جہاں تک انسان کو اس کی ضرورت تھی)

پس جب یہ ہمارا دعویٰ ہے اور اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے اور یقیناً یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا کر ہم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات کے ساتھ پہچانا ہے تو پھر آپ کو سمجھانے کے لئے دلیل میں نے پہلے دے دی ہے، اگر یہ درست ہے اور یقیناً یہ درست ہے اور اگر اس کے نتیجہ میں ایک احمدی کے دل میں اپنے رب کریم کے لئے ایک محبت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ ہر وقت ڈرتا رہتا ہے کہ میرا محبوب خدا مجھ سے کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ یہ خشیت کا مقام ہے اور وہ ہر وقت اس امید میں رہتا ہے کہ میرا پیارا خدا میری طرف محبت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ گویا یہ محبت کے دو پہلو ہیں اور یہ ہر دو پہلو ہر مخلص احمدی کے دل میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے ہیں تو پھر یہ دلیل یا ایک احمدی کی زندگی کی جو حقیقت ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ان حالات میں اصولی طور پر ہمارا ردِّعمل کیا ہونا چاہیئے اور کیا نہیں ہونا چاہیئے۔ جو نہیں ہونا چاہیئے اس کے متعلق میں آج صرف دو۲ باتوں کو لوں گا۔ قرآن کریم احکام کی کتاب ہے یہ اسلامی شریعت اور ہدایت ہے اس میں بیان ہونے والے احکام کو ہماری اصطلاح میں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک اوامر ہیں اور دوسرے نواہی ہیں، کچھ کرنے کی باتیں ہیں اور کچھ سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے گویا کچھ باتیں ایسی ہیں جو کرنی چاہئیں اور کچھ ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیئے۔

پس جہاں تک نواہی کا تعلق ہے قرآن کریم نے ہمیں کئی جگہ بتایا ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو جائے گا۔ یوں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کو نہیں پاسکو گے۔ اس قسم کا فعل صادر ہوا تو تم پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔ یہ کام کیا تو خدا تعالیٰ سے دوری پیدا ہو جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ

غرض بہت سی باتیں نواہی میں شامل کر کے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کر دیں۔ ان باتوں میں سے دو۲ کو میں اس وقت لوں گا۔

ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔(اٰل عمران:۵۸) کہ خدا تعالیٰ ظالموں سے پیار نہیں کرتا۔ اگر یہ سچ ہے اور اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ یہ سچ ہے کیونکہ قرآن کریم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ انسان سے ناراض ہو جاتا ہے تو پھر کسی احمدی کا کسی واقعہ کا ردعمل ظالمانہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ دنیا اور اس کے جو حوادث ہیں یا اس کے جو زوال پذیر واقعات ہیں ان کی طرف تو ہم توجہ ہی نہیں دیتے ہماری نگاہ تو صرف ایک ہی مرکزی نقطے پر مرکوز رہتی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جلّشانہ۔ ہمارے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پاک ذات کے ساتھ تعلق پیدا کیا جسے قران کریم نے اللہ کہا ہے اور جسے ہم نے پہچانا اور اس کا عرفان حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا عشق پیدا کیا ہے کہ جس کی مثال اسلام سے باہر مل ہی نہیں سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تعلق کی مضبوطی کا ایک جگہ بڑی سادگی اور آرام کے ساتھ اس طرح بھی اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا آسان ہے۔اس میں کیا مشکل ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت مل جائے کوئی مشکل ہی نہیں ہے وہ جان مانگتا ہے جان دے دو۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے ساتھ اتنا گہرا اور مضبوط رشتہ قائم کیا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے جس چیز کو خدا تعالیٰ پسند نہیں کرتا اور جس حقیقت کا عام اعلان قرآن کریم نہیں کرتا وہ ہمارا ردعمل نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی شخص احمدی کہلاتا ہو اور اس کا ایسا ردعمل ہو جو ظلم کی تعریف کے اندر آتا ہو اور جس کے نتیجہ میں اس شخص پر انفرادی طور پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ظاہر ہو اور وہ خدا کی محبت سے دور ہو تو وہ احمدی نہیں ہے۔ چاہے وہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہو۔ اس لئے کسی احمدی کا کوئی ردعمل خواہ دنیا کے حالات کیسے ہی کیوں نہ رونما ہوں ایسا ہو ہی نہیں سکتا جس پر ظلم کی مہر لگی ہو۔ پس ۷ر ستمبر کو ہماری قومی اسمبلی نے جو قرارداد پاس کی ہے اس کا ردعمل ایک سچے اور حقیقی احمدی کا ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ جس سے کسی پر ظلم وارد ہو۔

ظلم کے ایک معنے تو یہ ہیں کہ وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ کسی چیز کا غیر محل میں رکھ دینا یعنی مناسب حال کام نہ کرنا بھی ظلم میں شامل ہے۔ ظلم کے معنی مفردات امام راغبؒ کی

روسے حق تلفی کرنا ہوتے ہیں گویا ظلم کے معنی میں حقوق کو تلف کر دینا اور حق کے معاملہ میں تجاوز کی راہ کو اختیار کرنا شامل ہے۔ امام راغبؒ نے مزید لکھا ہے کہ جب ظلم کا لفظ گناہ کے معنوں میں استعمال کیا جائے تو اس معنی کے لحاظ سے وہ گناہ کبیرہ پر بھی استعمال ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ پر بھی استعمال ہوتا ہے یعنی حق سے چھوٹے سے چھوٹا تجاوز بھی ظلم ہے اور بڑے سے بڑا تجاوز بھی ظلم ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ پھر انہوں نے لکھا ہے کہ ظلم کی تین قسمیں کی گئی ہیں۔ بَيْنَ الْاِنْسَانِ وَبَيْنَ اللّٰهِ انسان کے جو تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں، ان میں ظلم ہو جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں۔ انسان ظالم بن کر انہیں ادا نہیں کرتا۔ (پس) اس ظلم کی ایک بھیانک توجیہہ یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں، وہ ادا نہیں کئے جاتے۔ وہ حقوق اس معنی میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کی ضرورت ہے۔ وہ تو خالق اور مالک ہے اس نے دنیا کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے وہ **صمد** اور **غنی** ہے اسے کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کی **ملکیت** ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے لیکن اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جب خدا تعالیٰ کی یہ دو تین صفتیں ہمارے سامنے آتی ہیں تو خدا تعالیٰ کی (ان) صفات کی یہ شکل بنتی ہے کہ اس نے ہر چیز کو پیدا بھی کیا۔ وہ ہر چیز کا **مالک** بھی ہے لیکن وہ **صمد** اور **غنی** بھی ہے اس لئے اسے کسی چیز کی حاجت نہیں۔ اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے جو کیا وہ کیا مگر اسے کسی چیز کی احتیاج اور ضرورت نہیں تھی اسے ضرورت نہ تھی کہ انسان اس کی حمد کرتے، اس کی تسبیح کرتے، اس کے شکر گزار بندے بنتے، اس کی صفات کا رنگ اپنے اوپر چڑھاتے یعنی مظہر صفاتِ الٰہیہ بنتے اور **تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ** کا نظارہ دکھاتے۔

غرض خدا تعالیٰ کو دنیا کی کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے احتیاج تو ہمیں ہے لیکن حقوق اللہ کی ادائیگی کا ایک محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا حق ہے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی تسبیح کرے، تحمید کرے شرک نہ کرے اور فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو۔ اس کا کہنا مانے اس کے حکم کو توڑنے والا نہ ہو۔ خدا تعالیٰ جو کہتا ہے یعنی جو اوامر ہیں ان کے مطابق کام کیا جائے اور جو کہتا ہے نہ کرو یعنی نواہی ہیں ان کے

مطابق قطع تعلق کرلو، تو پھر خدا تمہیں مل جائے گا۔ گویا ظلم کے ایک معنی حقوق اللہ کو ادا نہ کرنے کے ہیں۔ پس وہ حق جو خدا کا بندہ پر ہے اس میں تجاوز نہ ہو۔ اس کو تلف نہ کیا جائے۔

۲۔ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ النَّاسِ کہ وہ حقوق جو ایک شخص پر ''الناس'' یعنی عوام کے ہیں انسان ان حقوق کو تلف نہ کرے۔ اگر تلف کرے گا تو ظالم بن جائے گا۔

۳۔ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ نَفْسِہٖ کہ انسان پر اس کے نفس کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کو فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ کیا کرو مثلاً نفس کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس قدر روحانی قوتیں اور استعدادیں دی ہیں ان کو صحیح اور کامل نشوونما دے کر وہ اپنے دائرہ کے اندر خدا تعالیٰ سے قریب تر ہو جائے۔

یہ نفس کا ایک حق ہے۔ اس حق کی ادائیگی کے لئے پھر دنیا کے حقوق ہیں مثلاً انسان جان کر اتنا بھوکا نہ رہے کہ کمزوری پیدا ہو جائے اور وہ نفس کے روحانی حقوق نہ ادا کر سکے یا اس کا ایک دوسرا رخ بھی ہے کہ دوسرے انسانوں کا یہ حق ان کو ملتا رہے کہ وہ بھوک، پیاس یا بیماری جس کا علاج نہ ہو ان تکالیف کو دور کرنے کے نتیجہ میں جو روحانی رفعتیں وہ حاصل کر سکتے تھے عبادات زیادہ غور اور توجہ اور انہماک کے ساتھ اور زیادہ وقت دے کر اور روحانی طور پر زیادہ سختیاں برداشت کر کے اس میں کمی واقع ہو جائے اور وہ اپنے دائرہ استعداد میں ان روحانی رفعتوں کو حاصل نہ کر سکے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یہ پہلو بھی نفس کے حقوق کے اندر آ جاتا ہے اور یہ نفس کے حقوق کے اندر اس لئے آ جاتا ہے کہ بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ النَّاسِ کی رو سے عوام کے حقوق جو ایک شخص واحد پر ہیں، اس میں بھی آتا ہے اور وہ الناس کے نقطہ نگاہ سے ہے اور بَیْنَ الْاِنْسَانِ وَبَیْنَ نَفْسِہٖ میں اس کے اپنے نقطۂ نگاہ سے کیونکہ وہ شخص جو اپنی شخصیت کو روحانی طور پر نشوونما دینے کی کوشش کر رہا ہے اگر وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتا کہ اس کا جو ماحول ہے اس میں اس کے حقوق مل رہے ہیں۔ اگر نہیں تو نشوونما کے اندر کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس ہر انسان اپنی نشوونما کی خاطر غیر کی نشوونما میں تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (المآئدۃ: ۳) کے حکم کے مطابق کوشش کرتا ہے۔

پس ظلم کے یہ تین معنے کئے گئے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ظلم کے کسی معنی میں بھی خدا تعالیٰ ظالم سے پیار نہیں کرتا۔ اس لئے جماعتِ احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے افراد کا کوئی ردعمل ۷ ستمبر کی قرارداد پر ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں وہ ظالم ٹھہر جائیں۔ انشاء اللہ ایسا نہیں ہوگا ان کا ردعمل ایسا ہوگا کہ خدا تعالیٰ انہیں یہ کہے گا کہ میرے پیارو! میرے اور قریب آ جاؤ کہ جب تمہیں دکھ دیا گیا تو تم نے میرے حقوق نہیں بھولے بلکہ میرے پیار اور رضا کو حاصل کرنے کے لئے اور زیادہ کوشش کی۔

دوسری چیز جس کے نتیجہ میں انسان خدا تعالیٰ کے پیار اور محبت سے محروم ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۰۶ میں فرمایا ہے: وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ فساد کے معنے ہیں: ''خُرُوْجُ الشَّیْءِ عَنِ الْاِعْتِدَالِ'' جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بیچ کا راستہ ہے یا خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بنائی ہے اس سے بھٹک کر انسان اگر دائیں چلا جائے تب بھی اور بائیں چلا جائے تب بھی خدا تعالیٰ کے پیار سے محروم ہو جاتا ہے۔ فساد کے مقابلہ میں صلاح کا لفظ آتا ہے کیونکہ فساد منفی معنوں میں دلالت کرتا ہے۔ اس لئے گویا صلاح کا نہ ہونا صلاح کا فقدان فساد کہلاتا ہے اور صلاح کے معنے فساد کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں اور صلاح کے معنے (جب یہ لفظ صالح اسم فاعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے) تو اس وقت اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ ''اَلْقَائِمُ بِمَا عَلَيْهِ مِنَ الْحُقُوْقِ وَالْوَاجِبَات'' کہ ہر وہ انسان جس پر اللہ تعالیٰ نے جو حقوق اور واجبات مقرر کئے ہیں اور یا اس کی صلاحیت میں رکھے ہیں وہ ان سے منحرف نہ ہو بلکہ مضبوطی کے ساتھ وہ اپنے اس مقام پر کھڑا ہو جو مقام کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔ چنانچہ دنیا میں جتنا فتنہ وفساد، لڑائیاں جھگڑے اور ظلم ہوتے ہیں دراصل ان کی جڑ یہ فساد ہی ہوتا ہے۔ انسان کسی (دوسرے) کا حق دینے سے گریز کرتا ہے اور اپنا حق لینے کے لئے دوسرے کا سر پھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

پس ہر ایک احمدی کا جو حق ہے وہ اسے ملنا چاہیئے خواہ وہ کوئی ہو۔ ہمارا اشد ترین مخالف بھی ہے تب بھی ہر احمدی یہ کہتا ہے کہ اس کے جو حقوق خدا تعالیٰ نے اور ہمارے دستور نے اور

قانون نے بنائے ہیں وہ انکو ملنے چاہئیں۔ کسی احمدی یا کسی جماعت احمدیہ یا مرکز احمدیت کا یہ مطالبہ نہ کبھی ہوا نہ کبھی ہمارے دماغوں میں آیا بلکہ ہم تو ہمیشہ اپنے بھائیوں اور دوستوں کو جو احمدی نہیں اور جن پر انتظامی ذمہ داریاں ہیں ان سے باتیں کرتے ہوئے انہیں سمجھایا کرتے ہیں کہ دیکھو ہر آدمی کا جو بھی حق ہے وہ اسے ملنا چاہیئے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ احمدیت کی مخالفت کرتا ہے یا حمدی ہے یا احمدیت کے متعلق نہ مخالفانہ رائے رکھتا ہے اور نہ اسے قبول کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کے جو حقوق قائم کئے ہیں وہ اسے ملنے چاہئیں ورنہ تو ساری دنیا میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ پس لڑائی جھگڑے جنہیں ہم عام معنوں میں فساد کہتے ہیں ان کی جڑ ہی یہ ہے کہ انسانوں کے ایک گروہ کو ان کے حقوق نہیں ملتے اور وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ ان کو اتنا غصہ چڑھتا ہے کہ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق مارنے شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح غلط قسم کا چکر چل پڑتا ہے۔ پس ایک احمدی چونکہ اپنے دل میں خشیت اللہ رکھتا ہے اور چونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جائے اس لئے وہ کہتا ہے کہ مجھے کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیئے جو فساد کا موجب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ اللہ تعالیٰ فساد سے پیار نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ فساد سے پیار نہیں کرتا تو فسادی سے پیار کیسے کرے گا۔

پس ایک احمدی کا ردعمل ۷؍ستمبر کی قرارداد پر ایسا نہیں ہوگا کہ اس میں دنیا ظلم کا شائبہ دیکھے اور نہ ایسا ہوگا کہ اس کے نتیجہ میں فساد پیدا ہو اور لوگوں کی حقوق تلفی ہو یا ان کے حقوق تلف ہونے کے حالات پیدا ہو جائیں کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض جگہ فساد کے نتیجہ میں وہ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں جو فسادی نہیں ہوتے اور نہ وہ کسی کے حقوق تلف کر رہے ہوتے ہیں مگر وہ بھی فساد کی زد میں آ جاتے ہیں مثلاً دو ہمسائے لڑ پڑتے ہیں تو ان میں سے ایک بہرحال حق پر نہیں ہوتا یا بعض دفعہ جب دو آدمی لڑ پڑتے ہیں تو تین شکلوں میں سے ایک شکل ضروری ہوتی ہے یا دونوں حق پر نہیں ہوتے۔ ہر دو اپنے حقوق سے زیادہ کا مطالبہ کر رہے ہوتے ہیں یا ان میں سے ایک حق پر ہوتا ہے مثلاً زید حق پر ہوتا ہے اور بکر حق پر نہیں ہوتا یا بکر حق پر ہوتا ہے اور زید حق پر نہیں ہوتا۔ اب بکر اور زید کی لڑائی میں ان کے ہمسائے جو دو گھر

پرے ہٹ کر ہوتے ہیں اور ان کی لڑائی میں شامل نہیں ہوتے وہ بھی متاثر ہوتے ہیں اور وہ اس طرح کہ لڑائی کرنے والوں میں سے غصہ میں آ کر کوئی ایک آدمی بجلی کا پول اڑا دیتا ہے۔ جس سے ساری گلی میں اندھیرا ہو جاتا ہے۔ کئی گھروں کے معصوم بچے امتحان کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں ان کا وقت ضائع ہونے کی وجہ سے ان پر ظلم ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ وہ فساد میں شامل ہی نہ تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ ایک بڑی پیاری اور حسین آیت کے ایک ٹکڑے میں فرمایا ہے کہ ایسے گناہ کرنے سے بچا کرو کہ جب ان پر گرفت کی جاتی ہے تو وہ لوگ بھی سزا اور عذاب کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں جن کا کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقتِ زندگی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہیں ہوتا البتہ اس سے انسان پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ماحول کو مومنانہ اور صالحانہ کیوں نہیں رکھا۔ بہرحال یہ ایک لمبی تفصیل ہے۔ میں اس وقت مختصراً دو منفی پہلوؤں پر روشنی ڈال رہا ہوں۔

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے کہ جماعت احمدیہ مجھ سے ایک سوال یہ کر رہی ہے کہ مذکورہ قرارداد پر تبصرہ کیا جائے۔ اس کا جواب میں دے چکا ہوں کہ میرے تبصرہ کو سننے کے لئے کچھ دیر انتظار کرو۔ میں غور کر رہا ہوں میں دعائیں کر رہا ہوں۔ میں مشورے لے رہا ہوں اس کے بہت سے پہلو ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو اسی کی توفیق سے اگلے جمعہ کے خطبہ میں یا جب خدا چاہے گا۔ انشاء اللہ تبصرہ ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیئے؟ میں دوستوں سے کہتا ہوں کہ تمہارا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ نہ تم ظالم بنو خدا کی نگاہ میں اور نہ تم مفسد بنو خدا کی نگاہ میں۔ اس لئے جماعت احمدیہ کا کوئی ردعمل ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ جس میں سے ظلم کی بُو آتی ہو یا اس کے اندر فساد کی سڑاند پائی جاتی ہو ہمارا ردعمل بالکل ایسا نہیں ہوگا۔ اور بھی باتیں ہیں لیکن آج کے لئے یہی دو کافی ہیں۔ یہ میرا کام ہے کہ اسے آہستہ آہستہ واضح کرتا چلا جاؤں۔ ردعمل کے منفی پہلو پر بھی شاید مجھے کچھ اور کہنا پڑے گا۔ پھر اسکے مثبت پہلو بھی بتاؤں گا اور اپنے وقت پر انشاء اللہ تبصرہ بھی کروں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ آج بہت سارے لوگ باہر سے بھی آئے ہوئے ہیں ان کو ایک حصہ مل گیا ہے۔ باقی حصوں کے متعلق سننے کے لئے بھی وہ ہر جمعہ کو آیا جایا کریں اور احباب دعائیں بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مجھے

صحت سے رکھے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو نباہ سکوں۔

جیسا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا آپ کا وجود امت محمدیہ کے وجود سے علیحدہ نہیں تھا۔ اس لئے آپ کے نائبوں کے جو نائب ہیں ان کے مبائع کا وجود اور خلیفۂ وقت کا وجود علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ پس جو میں سمجھا اور جو خدا نے مجھے بتایا اس کے آگے سارے جسم پر اثر ہونا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اس کا اثر انگلیوں کے ناخنوں اور پاؤں کی انگلیوں تک سرایت کرنا چاہیئے یہ ایک حقیقت ہے اس کا سمجھنا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایسا نہ ہو کہ ہماری انگلی کسی اور طرف منہ کر کے ہل رہی ہو اور ہمارا دماغ خدا کی طرف نگاہ کئے اللہ تعالیٰ کی حمد میں مشغول ہو۔ اس طرح کرنے پر تضاد پیدا ہو جائے اور ہماری انگلی اتنی بیمار سمجھ لی جائے کہ اسے کاٹنا پڑ جائے انشاء اللہ یہ نہیں ہوگا۔

باقی جہاں تک کسی کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال ہے یہ تو میں شروع سے کہہ رہا ہوں اس قرارداد سے بھی بہت پہلے سے کہتا چلا آیا ہوں کہ جس شخص نے اپنا اسلام لاہور کی مال (روڈ) کی دکان سے خریدا ہو، وہ تو ضائع ہو جائے گا لیکن میں اور تم جنہیں خدا خود اپنے منہ سے کہتا ہے کہ تم (مومن) مسلمان ہو تو پھر ہمیں کیا فکر ہے دنیا جو مرضی کہتی رہے تمہیں فکر ہی کوئی نہیں۔ باقی تبصرے بعد میں ہوتے رہیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۴؍اکتوبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۲ تا ۶)

❁❁❁